ابواب المصائب مرزا دبیر کا نثری شاہکار

ڈاکٹر سید تقی عابدی

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ انیسویں صدی کی اس شاہکار تصنیف کو سہل نگاری کے غلاف میں لپیٹ کر پہلے خود دبیر کے گھر والوں نے اور بعد میں غیروں نے اپنے ذاتی کتب خانوں کی الماریوں کے طاق نسیان میں رکھ چھوڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے عوام تو ایک طرف خواص اور رثائی ادب کے ماہرین بھی بے بہرہ رہے۔ ابواب المصائب کی تصنیف تقریباً (۱۸۰) سال قبل عمل میں آئی اور طویل مدت کے دوران مطبع یوسفی سے اس کی اشاعت کے بعد بھی کم از کم سو سال گزر چکے ہیں۔ ایک سو اسی سال کی طویل مدت کے دوران درجنوں عمدہ تحقیقی نثری کتابیں اردو نثر کے ارتقا پر لکھی گئیں لیکن اکثر کتابوں میں اس کا تذکرہ تجزیہ تو دور کی بات ٹھہری اس کا نام تک نظر نہیں آتا۔ اردو نثر کی تاریخ اور اس کے ارتقا کی چشم دیدہ گواہ صرف چند تصانیف اور تالیفات ہیں جن کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے چنانچہ نثری ادب پر ایسے قحط الکتاب کے دور میں اس عمدہ نثری تصنیف سے چشم پوشی شریعت ادب میں گناہ نہیں تو اور کیا ہوسکتی ہے جب کہ اغلب دیگر تصانیف اور تذکروں میں کئی ضعیف اور مجہول کتابوں کے ذکر سے درجنوں اوراق سیاہ کئے گئے ہیں۔ ہم قبل اس کے کہ ان کتابوں کے حوالے پیش کریں جن میں ابواب المصائب کا جزوی طور پر ذکر کیا گیا ہے پہلے ان کتابوں کے نام پیش کرتے ہیں جن میں ابواب المصائب کا ذکر مضمون کی نوعیت سے ضروری تھا لیکن ان تحقیقی تحریروں میں اس کا نام تک نہیں جیسے۔

۱۔ تاریخ اردو ادب۔ جلد اول جلد دوم	ڈاکٹر جمیل جالبی
۲۔ اردو کی نثری داستانیں	ڈاکٹر گیان چند جین
۳۔ اردو نثر کا فنی ارتقا	ڈاکٹر فرمان فتح پوری
۴۔ اردو ادب کی تحریکیں	ڈاکٹر انور سدید
۵۔ تاریخ اردو ادب	رام بابو سکسینہ
۶۔ مختصر تاریخ اردو ادب	ڈاکٹر اعجاز حسین
۷۔ اردو نثر کا ارتقا	ڈاکٹر عابدہ بیگم

۸۔ارباب نثر اردو	سید محمد
۹۔اردو اسالیب نثر	امیر اللہ شاہین
۱۰۔موازنہ انیسؔ ودبیرؔ	مولانا شبلی نعمانی
۱۱۔المیز ان	چودھری سید نظیر الحسن فوق
۱۲۔شبع مثانی	سرفراز حسین خیبرؔ لکھنوی
۱۳۔اردو مرثیہ میں مرزا دبیر کا مقام	ڈاکٹر مظفر حسن ملک
۱۴۔مرزا دبیر اور ان کی مرثیہ نگاری	ڈاکٹر نفیس فاطمہ

یہ بھی تعجب کا مقام ہے کہ مرزا دبیر کی پہلی سوانح شمس الضحیٰ جو فارسی میں ہے اور جس کا ترجمہ راقم نے تقریباً مکمل کرلیا ہے اس کتاب کے ذکر سے خالی ہے۔ جن چند گنتی کی کتابوں میں ابواب المصائب کا ذکر موجود ہے ان کو ہم یہاں من وعن لکھتے ہیں۔

۱۔ حیات دبیرؔ کے مصنف افضل حسین صاحب ثابت لکھتے ہیں ۔'' ایک اردو نثر کی کتاب مصائب میں مطبع یوسفی میں چھپی ہے جس کا نام ابواب المصائب' ہے۔ جناب مرزا اوجؔ صاحب قبلہ سے برسبیل تذکرہ معلوم ہوا کہ اس کا اصل مسودہ مرزا صاحب کے کتب خانہ میں موجودہ ہے۔ میرے کرم فرما سید صغیر حسین صاحب شمسؔ مالک مطبع یوسفی دہلی ومنیجر اخبار اثنا عشری دہلی کی شعاع توجہ ومہربانی سے یہ کتاب مجھے پہنچی۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیر الدین حیدر بادشاہ دوم اودھ کے عہد میں یہ کتاب مرزا صاحب نے تصنیف کی۔ حضرت یوسفؑ کے واقعات جابجا لکھ کر حالات امام حسینؑ کا پیوند لگایا ہے۔ اب سے اسی (80) پچاسی (85) سال پہلے کی تصنیف ہوتے ہوئے بھی اس کی زبان سلیس ہے عبارت میں اس زمانہ کی روش کے مطابق فارسی وعربی کے الفاظ بہت ہیں مگر عبارت کو خواہ مخواہ مقفیٰ نہیں بنایا ہے اس لئے دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔''

۲۔شاعر اعظم مرزا سلامت علی دبیرؔ اور باقیات دبیرؔ میں ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری لکھتے ہیں ''راقم الحروف کو دبیر کی ایک نثری تصنیف موسوم بہ ابواب المصائب دستیاب ہوئی۔ یہ کتاب نایاب ہے اور اب عنقا کا حکم رکھتی ہے۔ ابواب المصائب مرزا دبیرؔ نے عین جوانی کے عالم میں بعمر ۲۷ سال ۱۲۴۵ ہجری میں تصنیف فرمائی ۔ ابواب المصائب رجب علی بیگ سرور متوفی ۱۲۸۴ ہجری کے فسانہ عجائب سال تصنیف ۱۲۴۰ ہجری کے بعد دبستان لکھنوی کی دوسری نثری تصنیف ہے۔ اس کی

زبان سادہ اور سہل ہے اور اس میں فسانہ عجائب جیسی پر تصنع مقفیٰ اور مسجع عبارت نہیں ہے۔'' پھر اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کتاب کی تفصیل درج کی ہے اور دیباچہ اس کا نقل کیا ہے۔

۳۔ نادرات مرزا دبیر میں ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں ۔

''ایک مختصر کتاب حدیث کی ابواب المصائب' کے نام سے بھی مرزا صاحب کی تصنیف ہے جو ۱۱۴۵ ہجری مطابق ۱۷۳۲ء میں مکمل ہوئی اس میں سورۂ یوسف بیان کر کے جابجا مصائب اہلبیتؑ سے ربط دیا گیا ہے تا کہ مجالس میں مآل کار کے پہلو نکل سکیں۔''[۱]

''۴۔ مرزا سلامت علی دبیر'' میں ڈاکٹر محمد زمان آزردہ لکھتے ہیں ۔''دبیر نے اردو نثر میں ایک مستقل تصنیف 'ابواب المصائب' یادگار چھوڑی ہے جو کئی اعتبار سے اردو نثر کی تاریخ میں اہمیت کی مالک ہے اور لکھنؤ کے نثری دبستان کے مطالعہ میں ناگزیر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زیر نظر کتاب اردو نثر کے محققوں اور ناقدوں کی نظروں سے اوجھل تھی۔ کیوں کہ اردو نثر کی تاریخ کے اولین دور کے بیان میں ابواب المصائب کا ذکر نہیں ملتا۔'' اس کے بعد ڈاکٹر موصوف نے تفصیل سے ابواب المصائب کا خلاصہ درج کیا ہے۔

۵۔''پیام عمل'' دبیر نمبر ۱۹۷۷ء کے مضمون ''اردو ادب کے توسیع میں دبیر کا حصہ'' میں ڈاکٹر حسین فاروقی لکھتے ہیں۔ دبیر نے نثر میں ''ابواب المصائب'' کے نام سے ذاکری کی ایک کتاب تصنیف کی تا کہ یہ فریضہ نظم کی طرح نثر میں بھی ادا کریں۔ یہ کتاب مرزا صاحب نے عہدہ شاہ نصیر الدین حیدر میں تصنیف کی تھی اور اس کی تاریخ بھی خود ہی نکالی ہے۔ ع مصحف طاق چشم اہل عزا است' یہ کتاب (۱۷۸) صفحات پر شائع ہوئی تھی اور اردو نثر کی ابتدائی کتابوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب ذاکری کے اس طریقے سے تعلق رکھتی ہے جسے نثر خوانی کہتے ہیں۔ اس لئے اس میں جگہ جگہ اشعار بھی نثر کے ساتھ چسپاں کئے گئے ہیں جو نثر خوانی کا دستور ہے۔ کتاب کی زبان عالمانہ اور رواں ہے۔ ادب کی چاشنی کافی ہے اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس زمانے کی تصنیف ہے جس عہد میں کتاب فسانۂ عجائب لکھی گئی تھی تو اس بات کی داد دینی پڑتی ہے کہ مرزا صاحب نے صاف اور شستہ زبان استعمال کر کے اس زمانے کے رنگ کے برخلاف نثر میں بھی اپنی ایجاد پسندی کا سکہ قائم رکھا ہے۔ ابواب المصائب سورہ یوسفؑ کی عام تفسیر ہے جس میں جگہ جگہ ربط مصائب دے کر اسے رقت آفرین بنا دیا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ نثر ہمیشہ نظم کے سایہ میں پروان چڑھتی ہے یعنی دنیا کے

تقریباً ہر ادب میں پہلے نظم وجود میں آتی ہے اور نظم ترقی کرتی ہے۔ پھر اس کی آغوش میں نثر پلتی و پھلتی ہے اور آہستہ آہستہ اپنی شناخت الگ بنالیتی ہے۔ چنانچہ جب اردو نظم کی آغوش میں اردو نثر جوان ہوئی تو وہ پہلے پہل شاعرانہ انداز میں لکھی گئی گوکہ یہ رنگین نثر مسجع ومقفیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ شاعرانہ صنعتوں سے مالا مال تھی اور یہی اردو نثر کا ابتدائی اسلوب تھا جو آج بھی ہمیں کربل کتھا سوداؔ کے دیباچوں ، قدیم قصوں کہانیوں اور فسانہ عجائب میں نظر آتا ہے۔ جعفر زٹلی متوفی ۱۷۱۳ء عالگیر کے دورکا وہ مزاحیہ شاعر ہے جس نے اپنی فارسی نثروں میں اردو کہاوتیں ، محاورے اور جملے استعمال کئے۔ اگرچہ اس سے قبل کئی مورخین مصنفین اور مؤلفین کے دکنی زبان میں رسالے خطوط اور دوسری نثری تحریروں کے نمونے موجود ہیں جن کا تذکرہ اس تحریر میں طوالت کے باعث نہیں کیا گیا ہے۔ برکت اللہ عشقی متوفی ۱۷۲۹ء نے اگرچہ تصوف کے رسالے فارسی نثر میں لکھے لیکن اس میں اُردو کے محاورات اور کہاوتوں کی توضیح اور تشریح کی۔ اسی طرح مرزا جان طپش دہلوی متوفی ۱۸۱۳ء نے بھی اردو اصطلاحات اور روز مرہ ہونے والے محاوروں کو جمع کرکے اس کی تشریح فارسی میں کی یہ وہ زمانہ تھا جب شعرا اردو دیوان کا دیباچہ بھی فارسی نثر میں لکھا کرتے تھے چنانچہ عبدالولی عزلتؔ متوفی ۱۷۵۷ء پہلے اردو کے شاعر ہیں جنہوں نے اپنے دیوان کا مقدمہ اردو میں لکھا۔ محمد باقر آغا ویلوری متوفی ۱۸۰۵ء نے اپنی کئی منظوم اور نثری تصنیفات کے دیباچے اردو میں لکھے۔ اسی طرح محمد رفیع سوداؔ نے بھی اپنی مثنوی ''سبیل ہدایت'' کا دیباچہ اردو میں لکھا یہ وہ زمانہ تھا جب اردو نظم تحریروں کی ضرورت روز بہ روز بڑھ رہی تھی۔ اسی لئے کربل کتھا کے مولف فضل علی فضلی کو اس کتاب کی وجہ تالیف میں یہ کہنا پڑا۔'' فارسی'' روضۃ الشہداؑ '' کے معانی مذکورہ خواتین کی سمجھ میں نہ آتے تھے۔

شاہ مراد انصاریؔ متوفی ۱۷۶۱ء نے تفسیر پارہ عم کی وجہ یہ لکھی کہ'' لاکھوں کروڑوں مسلمان جو ہندی زبان بولتے ہیں عربی فارسی سے کچھ واقف نہیں۔'' آغا ویلوری نے'' محبوب القلوب'' اس لئے لکھی'' تاکہ فارسی نہ جاننے والوں کے کام آوے۔'' ریاض الجناں' اس لئے اردو میں لکھی'' تاکہ اور لوگ جو عربی فارسی پڑھ نہیں سکتے ہیں اس سے بہرہ پاویں۔''

ایک طرف اردو نثر کی ضرورت اور دوسری طرف اس کی کم مائیگی اور کمزور ادبی حالت نے اس کے اسلوب کو دوراہے پر کھڑا کردیا اگر چہ اس زمانے میں اردو نظم اپنی پختگی کے ساتھ ساتھ اور

علمی اور عروضی سانچوں میں ڈھل چکی تھی ۔ چنانچہ اغلب نثر نگاروں نے اردو نثر کے لئے فارسی کا وہ اسلوب اختیار کیا جس میں مسجع مقفیٰ جملے علم بیان کی تشبیہات اور استعارات اور صنعتوں سے سنوارے جاتے ہیں اور جملوں کی ساخت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فارسی جملہ کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا گیا ہے جس سے پڑھنے اور سنے والے کو دقت اور سمجھنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔اٹھارویں صدی کی اغلب تالیفات اور ترجمے اور انیسویں صدی کے اوائل کی بیشتر تصانیف بجز وہ نثری کتابیں جو فورٹ ولیم کالج سے شائع ہوئیں اسی اسلوب کی مثال ہیں۔ دوسرا اسلوب جو سادہ عام فہم سلیس الفاظ میں چھوٹے چھوٹے جملوں میں لکھا جاتا رہا جس میں صنعتوں سے گریز ، مسجع ومقفیٰ عبارتوں سے اجتناب اور علم بیان کے محاسن سے حتی الامکان دوری اختیار کی گئی عوام میں پسندیدہ نظر سے دیکھا جانے لگا۔ سونے پہ سہاگہ فورٹ ولیم کالج کی تصانیف نے اس اسلوب کو ترقی دی اور یہ اسلوب شاعرانہ رنگی اسلوب کے مقابل سادہ منشیانہ اسلوب بن کر ظاہر ہوا چنانچہ تفسیر مراد یہ، آغا کے نثری دیباچے نوآئینہ ہندی ، قصہ مہر افروز ودلبر ، قصہ احوال روہیلہ داستان ''عجائب القصص'' خاص اہمیت کی حامل ہے جس میں سادگی سلاست روانی اور بول چال کی زبان شامل ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کی تشہیر سے قبل ہی اردو نثر کا دامن اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ اس میں طویل داستانیں عوام کی زبان میں لکھی جاسکیں۔ اس مختصر جائزہ کی روشنی میں جب ہم ''ابواب المصائب'' کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ فراموش شدہ اردو نثری شاہکار اردو نثری ارتقا کا ایک سنگ میل ہے جسے اس زمانے کی نثر اور اس کی روز مرہ تبدیلیاں جس میں اس کی ارتقا کے سفر کی روداد نقش ہے جو تاریخ ادب کے لئے ایک تحقیقی اور مستند دستاویز ہے۔ ہم یہاں طولانی بحث سے بچنے کے لئے صرف چند نکات لازم اور ان کے تحت چند مثالوں کو پیش کریں گے۔

۱۔ ''ابواب المصائب'' میں اوپر بیان کردہ دونوں اسالیب نظر آتے ہیں یعنی فارسی نثر سے متاثر مقبول اور مروجہ اردو اسلوب عام طور پر دیباچہ وجہ تالیف اور ابواب کی پہل فصلوں یعنی مقدموں میں نظر آتا ہے لیکن یہ اسلوب پوری کتاب میں دس فیصد سے بھی کم ہے۔ اس اسلوب میں تشبیہات، استعارات، فارسی تراکیب مسجع مقفیٰ عبارتوں کی نمائش صرف اس حد تک کی گئی ہے کہ وہ شاعرانہ نثر نہ بن سکے اور جملوں میں روانی اور شگفتگی کے ساتھ تعقید اور گنجلک جیسی خرابیاں پیدا نہ ہوسکیں۔ اس نثر کو اس دور کی شاہکار تصنیف ''فسانہ عجائب'' سے کچھ نسبت دی جاسکتی ہے لیکن بہر حال رجب علی

بیگ سرور کی تصنیف منفرد ہے جیسا کہ محمد یحییٰ کہتے ہیں۔'' فسانہ عجائب اپنے خاص رنگ میں بہترین تصنیف ہے جس کی عبارت مقفیٰ و مسجع ہے یہ رنگینی اور قافیہ پیمائی فارسی تحریروں میں پائی جاتی ہے لیکن اردو میں اس انداز تحریر کی آپ ہی موجد ہے۔'' ہمیں اس آخری فقرے سے اختلاف ہے اس لئے کہ سرور سے پہلے قافیہ پیمائی مقفیٰ و مسجع تحریریں کئی اور اردو تصانیف میں عمدہ ترین شکلوں میں نظر آتی ہیں لیکن جو چیزیں فسانہ عجائب کو عجائبات میں شمار کرواتی ہے وہ ان کی دوقسم کی تحریریں ہیں جس کے بارے میں ڈاکٹر نیر مسعود نے بہت صحیح لکھا ہے۔'' فسانہ عجائب کی زبان کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک قسم تو وہی ہے جس کا سرور ، نے دعویٰ کیا ہے یعنی سلیس اور بامحاورہ زبان مجموعی حیثیت سے یہی فسانہ عجائب کی اصل زبان ہے۔ مگر دوسری طرف وہ پیچیدہ اور گراں بار زبان بھی ہے جسے سمجھنے کے لئے خواہ قاری کو فرنگی محل کی گلیوں کی خاک نہ چھاننا پڑے لیکن دماغ پر اچھا خاصا زور ضرور ڈالنا پڑتا ہے۔''

فسانہ عجائب کی مثال ہم دبیر ہی کے تعارف کے جملہ سے دیتے ہیں۔ رجب علی بیگ سرور لکھتے ہیں۔'' مرثیہ گو بے نظیر میاں دلگیر ، صاف باطن ، نیک ضمیر، خلیق ، فصیح ، مرد مسکین مکروہات زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا اللہ کے کرم سے ناظم خوب دبیر مرغوب سکندر' بصورت گدابار احسان اہل ودل کا نہ اٹھایا۔ عرصۂ قلیل میں مرثیہ وسلام کا دیوان کثیر فرمایا۔''

اب ہم'' ابواب المصائب'' سے کچھ جملے بطور مثال پیش کرکے اپنے مطلب کو واضح کرتے ہیں۔'' حقا کہ آباواجداد اس بادشاہ سلیمان جادہ ادربان سکندری ایوان یوسف عہد نوشیروان عصر ابوالنصر قطب الدین بادشاہ غازی نصیر الدین حیدر خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے بانی خیرو حسنات تھے۔ چنانچہ نہر آصفی بنا ہوئی جناب نواب آصف الدولہ مرحوم قریب نجف اشرف کے مثل چشمہ کوثر جاری ہے۔ ازیں قبیل ہر ایک کی ذات بابرکات سے بنیاد فیض یادگار افاق ہے۔ الحمد اللہ کہ ہمارے بادشاہ عصر خلد اللہ ملکہ وسلطہ کو جناب احدیت نے فخر سلاطین سلف اور رشک بادشاہان عصر پیدا کیا کہ ازل سے آج تک کسی نے بنائے تعزیہ داری تا اربعین نہ کی تھی الا اس بادشاہ خلائق پناہ نے یہ رسم حسنات مقرر فرمائی اور اسی طرح سے ہزار ہا امور حسنات اور آثار برکات ذات مجمع حسنات سے بنیاد پذیر ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں۔''

لیکن جو اسلوب تقریباً تمام تر کتاب میں نمایاں ہے وہ سادہ سلیس عام روز مرہ اور عوامی

بول چال کی زبان میں چھوٹے چھوٹے جملوں میں پیش کیا گیا ہے جس میں علم بیان کی صنعتوں یا فارسی تراکیب کا ہجوم نظر نہیں آتا اس میں نہ شاعرانہ رنگینی ہے اور نا بے ربط ہندی الفاظ کی بدمزگی بلکہ اس اسلوب کو مرزا دبیر کا منفرد اسلوب کہہ سکتے ہیں جو تقریباً دو سو سال پرانا ہونے کے باوجود آج پڑھنے والے کے لئے غیر مانوس یا بوجھل نہیں۔ ہم یہاں بطور مثال چند جملے پیش کرتے ہیں۔

'' ابن عباسؓ نے ام سلمہؓ سے کہا کہ کیوں کر آپ نے جانا کہ حسینؓ شہید ہوئے ام سلمہؓ نے فرمایا کہ اس وقت خواب میں رسالتؐ پناہ کو دیکھا میں نے گیسوئے کشادہ گریبان چاک افسردہ دل حزیں واندوہ گین عرض کی میں نے اے رسولؐ خداذوالجلال یہ کیا حال ہے کہ تم سے مشاہدہ کرتی ہوں میں حضرت نے رو کر فرمایا اے ام سلمہ فرزند میرا حسینؓ مع اقربا شہید ہوا اور میں اس وقت با ارواح انبیائے مرسلینؑ واصفیائے مقربین وملائکہ آسمان وزمین اس کی زیارت کو گیا تھا اس وقت اس کے دفن سے فارغ ہوا ہوں۔''

جب ہم ابواب المصائب کو اس سے ایک صدی قبل کی کتاب '' کربل کتھا '' جو طرز بیان اور موضوع بیان سے بہت قریب ہے تو ہمیں ابواب المصائب کی برتری، شگفتگی ، سلاست ، روانی نثر اور قواعد کی پختگی کا احساس ہوتا ہے۔

ا۔ کربل کتھا میں مصنف نے الفاظ کے ہجوں اور املا میں خاص معیار قائم نہ رکھا کیوں کہ اس دور میں اردو لکھنے کا رواج بہت کم تھا چنانچہ کتاب کا مطالعہ کرتے وقت املا کی غلطیاں جابہ جا نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر توبہ کو توباہ، سات کو ثات، ڈھارس کو ڈھارث ، وہ کو ووغیرہ غلطی لیکن ابواب المصائب میں ایسی کوئی غلطی نہیں ملتی البتہ ملا کر پیش کے بجائے '' ؤ'' اور نون غنہ میں نقطہ دینا فراوان نظر آتا ہے جسے ہم تو کو '' ہمتو'' اس کواوس اور ماں کو مان لکھا گیا ہے۔

ب۔ کربل کتھا میں فضلیؔ نے فارسی عربی اور ہندی لفظوں کو ملا کر ترکیبیں بنائی ہیں جو قابل قبول نہیں۔ جیسے غم ودکھ ، گورو گڑھا، چھوڑے وچلے وغیرہ میں واو عاطفہ کا استعمال۔ ہندی اور فارسی عربی الفاظ میں اضافت کا استعمال جیسے صاحب بھید ، صحن گھر اور رسم گھوڑے وغیرہ۔ '' ابواب المصائب'' میں ایسی کوئی عبارت نظر نہیں آتی۔ بحر حال ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دبیر شاعر اعظم تھے اور فضلیؔ معمولی شاعر اور ان دونوں کی تحریروں میں ایک صدی کا فاصلہ بھی تھا۔

ج۔ کربل کتھا میں جمع الجمع کی فراوانی ہے یعنی اصحابوں ، اقروباؤں، شہداوں، احادیثوں، جیسے الفاظ بھرے پڑے ہیں اور ''ابواب المصائب'' میں جمع الجمع شاذونادر نظر آتے ہیں اگر چہ دبیر کے زمانے کی دوسری تحریروں میں یہ مثالیں ملتی ہیں۔

د۔علم صرف کے قاعدہ کے مطابق جب فعل مونث ہوتو جمع کا صیغہ صرف دوسرے جز پر ہوتا ہے مثلاً ''گاتی ہے'' کی جمع گاتی ہیں'' صحیح ہے لیکن کربل کتھا میں جمع کا صیغہ دونوں جز پر ہوا ہے جیسے گاتیں ہیں۔ ایسی غلطیاں ابواب المصائب میں نظرنہیں آتیں۔ یہ مرزادبیر کی عجزوانکساری اور افتادطبع ہے کہ اس عظیم تخلیقی شاہکار کو صرف ایک ہفتہ کی مدت میں تصنیف کرکے اس کتاب کے اختتام پر کہتے ہیں۔

''الحمد اللہ رب العالمین کہ اعانت عنایت پروردگار اور تائید ائمہ اطہارعلیہم السلام سے ان سطور لطافت کنجور کی تحریر سے انفراغ حاصل ہوا اب التماس ابجد خواں لوح بے سوادی اور ہیچ مدان دبستان بے استعدادی کا خدمت ارباب فصاحت واصحاب بلاغت میں یہ ہے اگر چہ یہ مجموعہ پریشان مثل میرے نامہ عصیان کے صرف قبول سے معراُومبرا ہے مگر چشم داشت دقیقہ شناسان معنی اس کے لمعات انوار انظار سے یہ ہے کہ عین عطا کو ملا حظہ خط میں کارفرمائیں ۔ بخدائے لایزلال کہ شدت حواس اور تردد بے قیاس میں بہ تعجیل تمام بہ عجلت مالا کلام مدت یک ہفتہ میں اس خود غلط نے یہ اوراق سفیدہ سیاہ کئے ہیں اور اس زمانے میں بھی اکثر اکتساب ثواب مجالس عزا میں اور تحصیل سعادت ملازمت احبا میں حاضر اور موجود رہا ہے۔''

جب کہ دوسرے پیش رو مؤلفوں مصنفوں نے اپنے ترجمے اور تالیفات میں فخر و مباہات سے کام لیا۔فضل علی فضلی کربل کتھا میں لکھتے ہیں۔''بیش ازیں کوئی اس صنعت کا مخترع اوراب تک ترجمہ فارسی بہ عبارت ہندی نہیں ہوئے متمع۔''تفسیر مرادیہ'' کے مفسر مراد اللہ انصاری نے لکھا'' کہیں بزرگ نے' کسی عالم فاضل نے ہندی زبان میں کئی کتاب دین کے علم میں نہ لکھی۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم میں اس عاجز بندے کے دل میں ڈالا توفیق بخشی سورۂ فاتحہ اورعم کے سپارے کی تفسیر اس ہندی زبان میں لکھنا شروع کیا۔'' ہم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ دونوں دعوے صحیح نہیں۔ جدید تحقیقات سے واقف حضرات اس امر سے واقف ہیں کیوں کہ یہ بحث ہمارے مضمون سے تعلق نہیں رکھتی اس لئے اس کو یہیں ختم کرتے ہیں۔

ان تمام مطالب کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابواب المصائب ایک عظیم نثری کتاب ہے جس سے اس زمانے کی زبان کا ارتقا سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ چنانچہ ایسی گراں بہا کتاب کو صرف اس وجہ سے نظر انداز کرنا کہ اس کا تعلق رثائی ادب سے ہے ادب کے ساتھ بے ادبی تصور کیا جاسکتا ہے۔

حوالہ:

۱۔تاریخ ۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۲ء درست نہیں بلکہ اصل تاریخ ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء ہے۔